تصوف کے منابع اور مناہج تربیت

☆ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی

Abstrect

The Islamic Shariah has given two types of orders to the Muslims. One those which are related to the appearance and physique of a Muslim. While other one is related to his heart & soul. For temporal success and salvation in afterwards life, both apparent & inward reforms are very important. It is proved from the Quran & Hadith. On this basis, we can say that the word "Tazkia" (purification of self) mentioned in Quran and "Ihsan" (perfection) in Hadith is the base of mysticism or spiritual sciences. Mysticism is not only limited to an ideology, rather there is a practical pathway appointed for it. It is consisted on affairs like fellowship, allegiance, hard work, recall and solitude.

Apart from it, the Sufis have also described the practices & places of mysticism in detail. It includes affairs like repentance, accountancy, fear, hope, sincerity, purity, patience, piety, voluntarism, fortitude and gratitude.

After passing through these practices, a pure believer can attain cleanness of apparent & conscience. Hence he is adorned with high morals.

Keyword: Mysticism, sincerity, purity, patience, piety

شریعت مطہرہ نے انسان کی صلاح و فلاح اور دنیا و آخرت میں اس کی کامیابی و کامرانی کے لیے اسے دو قسم کے احکام دیئے ہیں: اِن احکام کی ایک قسم وہ ہے جس کا تعلق انسان کے جسم اور قالب سے ہے، اور دوسری قسم وہ ہے جس کا تعلق انسان کے روح و قلب سے ہے۔ پھر قلب و قالب دونوں سے متعلق احکام مزید دو دو قسموں میں منقسم ہیں: اوامر اور نواہی۔ جسم سے متعلق اوامر ہیں: نماز، زکاۃ، روزہ اور حج وغیرہ؛ نواہی ہیں: چوری، شراب نوشی اور زنا وغیرہ۔ اسی طرح قلب سے متعلق اوامر میں اللہ تعالیٰ، فرشتوں، رسولوں، آسمانی کتابوں اور آخرت پر ایمان لانا وغیرہ شامل ہے۔ صدق و توکل رضا اور شکر وغیرہ بھی اوامر قلبیہ کا حصہ ہیں۔ جبکہ قلب سے متعلق نواہی میں کفر، نفاق، کبر، بغض، ریا، حسد اور خود پسندی وغیرہ داخل ہیں۔

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ عربی، مولانا آزاد نیشنل یونیورسٹی، حیدرآباد دکن، انڈیا

تصوف کی ضرورت و اہمیت:

اور شر عادونوں سے متعلق احکام کی بجاآوری مطلوب ہے۔ لیکن احکام قلبیہ اوامر ہوں یانواہی-اس حیثیت سے زیادہ اہم ہیں کہ انہیں پر جسم کے اعمال کی صحت و قبولیت کا دار و مدار ہوتا ہے۔

رحمت عالم ﷺ وسلم فرماتے ہیں:

''إن فی الجسد مضغة إذا صلحت صلح الجسد کله، و إذا فسدت فسد الجسد کله، ألا وهی القلب'' (1)

''بلاشبہ جسم میں ایک ٹکڑا ہے اگر یہ درست ہے تو پورا جسم درست ہے اور اگر یہ فاسد ہے تو پورا جسم فاسد ہے، ہشیار رہو یہ ٹکڑا دل ہے۔''

جسم میں یہی وہ ٹکڑا ہے جو رب تعالیٰ کا محلّ نظر ہے، ارشاد نبوی ہے:

''إن الله لا ینظر إلی أجساد کم ولا إلی صور کم ولکن ینظرإلی قلوبکم''(2)

''اللہ تعالیٰ نہ تمہارے جسموں کو دیکھتا ہے نہ تمہاری صورتوں دیکھتا ہے، لیکن وہ تمہارا دل دیکھتا ہے۔''

لہٰذا دنیا میں اعمال کی صحت اور آخرت میں نجات دونوں کا دار و مدار دل کی اصلاح پر ہے۔ اس سے قلب اور اس سے متعلق احکام دونوں کی غیر معمولی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں قلب سے متعلق احکام کی اہمیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جسم کے بر خلاف دل کے امراض و عیوب بہت خفیہ اور باریک ہوتے ہیں، جن کا علم و ادراک بڑی مشکل سے ہوتا ہے۔ بلکہ بسا اوقات ہم اپنے دل کے عیب کو ہنر اور نقص کو کمال سمجھ لیتے ہیں۔ مثلاً کوئی اپنے ٹوٹے ہوئے پیر کو صحیح نہیں سمجھتا، نہ ہی بخار اور سر درد کے شعور میں کبھی کوئی غلطی کرتا ہے، لیکن بے شمار لوگ ایسے ہیں جو تکبر کو عزت نفس، تملق کو احترام غیر، غیبت کو حق گوئی، اہانت ذات کو تواضع، بزدلی کو حزم و احتیاط، تہور کو شجاعت اور بخل کو اقتصاد سمجھتے ہیں۔

تزکیہ نفس اور تصفیہ اخلاق کے ذریعے دل کے تمام عیوب و امراض حتی کہ وساوس و خطرات کو بھی دور کیا جاسکتا ہے۔ اور دل سے متعلق احکام کی اچھی طرح سے بجاآوری کی جاسکتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

''قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّىٰهَا''(3)

یعنی کامیاب وہ ہوا جس نے نفس کا تزکیہ کیا۔

تصوف اسی تزکیہ نفس اور تصفیہ اخلاق کا نام ہے جس کے ذریعے انسان اپنے ظاہر و باطن کی تعمیر کر سکتا ہے تاکہ وہ ابدی سعادتوں سے ہمکنار ہو سکے۔ قاضی زکریا انصاری متوفی ۹۲۹ھ، تصوف کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''التصوف: علم تعرف به أحوال تزكية النفوس وتصفية الأخلاق و تعمير الظاهر و الباطن لنيل السعادة الأبدية'' (4)

''تصوف ایسا علم جس کے ذریعے نفوس کے تزکیہ، اخلاق کی صفائی اور ظاہر و باطن کی تعمیر کے احوال کو جانا جاتا ہے، تاکہ ابدی خوش بختی حاصل ہو سکے۔''

مختصر یہ کہ اعمال کا دار و مدار قلب پر ہے، اور وہی رب تعالیٰ کا محل نظر ہے، پھر قلب کی صلاح و فلاح تزکیہ پر موقوف ہے اور تزکیہ کے قواعد و وسائل کی معرفت تصوف سے ہوتی ہے۔ لہذا ان واضح اور یقینی مقدمات سے ہم اس واضح اور یقینی نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ تصوف کی ضرورت و اہمیت ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے۔

منبع تصوف:

دین کے تمام شعبوں کی طرح تصوف و تزکیہ کا منبع بھی منبع رحمت ﷺ کی ذات بابرکات ہے، بلکہ قرآن کریم تو تزکیہ کو انکی بعثت کا مقصد قرار دے رہا ہے:

''لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَ يُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔''(5)

''بیشک اللہ تعالی نے مومنین پر احسان فرمایا کہ ان کے درمیان انھیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیات کی تلاوت فرماتا ہے، انکا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔''

تزکیہ ہی کی طرح تصوف کے جملہ اصول و فروع کتاب و سنت سے ماخوذ ہیں۔ تصوف اور علم تصوف میں تمیز نہ کرنے والے حضرات زبردست غلط فہمی کا شکار رہتے ہیں اور اکثر یہ سوال کیا کرتے ہیں کہ یہ عہد صحابہ میں کیوں نہ تھا؟ اگر ان کی مراد علم تصوف ہے تو بلاشبہ یہ قرون اولی میں نہیں تھا نہ اس وقت اس کی ضرورت تھی، بلکہ علم تفسیر اور دیگر علوم قرآن، علم حدیث، علم توحید و کلام اور علم فقہ و اصول وغیرہ کوئی بھی علم اس مبارک و مسعود عہد میں نہیں تھا، اور نہ ان کی ضرورت تھی۔ اور اگر مراد تصوف ہے تو بلا شک و شبہ یہ اس عہد میں موجود تھا۔ خود مرشد اعظم ﷺ صحابۂ کرام کا تزکیہ فرماتے تھے اور انھیں مجاہدۂ نفس یا ''جہاد اکبر'' کی تربیت دیتے تھے۔ شیخ محمد صدیق محدث غماری رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

''أما أول من أسس الطريقة فلتعلم أن الطريقة أسسها الوحى السماوى فى جملة ما أسّس من الدين المحمدى، إذهى بلا شک مقام الإحسان الذى هوأحد أركان الدين الثلاثه التى جعلها النبى صلى الله عليه وآله وسلم، بعد مابينها واحدا واحدا ، دينا

بقوله:''هذا جبريل عليه السلام أتاكم يعلمكم دينكم'' وهوالإسلام والإيمان والإحسان- فالإسلام طاعة وعبادة والإيمان نورو عقيدة، والإحسان مقام مراقبة ومشاهدة''- (6)

''رہایہ کہ تصوف کی بنیاد کس نے ڈالی تو جان لو کہ اس کی بنیاد وحی آسمانی نے ڈالی ہے جس طرح کہ دین محمدی میں ہر چیز کی بنیاد وحی آسمانی نے ڈالی ہے۔ بلاشبہ تصوف وہی ہے جسے (حدیث شریف میں) احسان کہا گیا ہے۔ احسان دین کے تین ارکان میں سے ایک رکن ہے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے ایک ایک کرکے بیان کیا اور انھیں دین قرار دیا، بایں طور کہ فرمایا:''یہ جبریل علیہ السلام تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے''۔ یہ تینوں ارکان اسلام، ایمان اور احسان ہیں۔ اسلام: اطاعت و عبادت ہے، ایمان: نور وعقیدہ کا نام ہے، اور احسان: مقام مراقبہ ومشاہدہ ہے۔''

حدیثِ جبریل

شیخ غماری نے جس حدیث شریف کی طرف اشارہ کیا ہے اور جسے انہوں نے تصوف کی بنیاد قرار دیا ہے، اصطلاح میں یہ حدیثِ جبریل کے نام سے مشہور ہے یہ حدیث نہ صرف تصوف بلکہ شریعت مطہرہ کی ایک اہم اصل ہے۔ یہ ایک صحیح و مشہور حدیث ہے۔ بے شمار اصحاب صحاح وسنن وآثار و مصنفات و مسانید نے اس کی روایت کی ہے۔ چونکہ یہ حدیث اہل تصوف کا بنیادی ماخذ ہے اور بقول صاحب فتح الباری یہ ''بغية السالكين، كنزالعارفين اور عمدة الصديقين'' ہے، لہٰذا اسے قدرے تفصیل سے ذکر کیا جارہا ہے۔

امام مسلم اپنی الجامع الصحیح میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

''بين نحن عند رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم، إذ طلع علينا رجل شديد بياض الثياب، شديد سواد الشعر، لايرى عليه أثر السفر، ولا يعرفه منا أحد، حتى جلس إلى النبى (صلى الله عليه واله سلم) فأسند ركبتيه إلى ركبتيه، ووضع كفيه على فخذيه، وقال يامحمد! أخبرنى عن الإسلام؟ فقال رسول الله:'' الإسلام أن تشهد أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله، و تقيم الصلاة، و توتى الزكاة، و تصوم رمضان، وتحج البيت إن استطعت إليه سبيلا'' قال:صدقت، قال: فعجنا له يسأله ويصد قه، قال: فأخبرنى عن الإيمان؟ قال: ''أن تومن بالله، وملائكته، و كتبه، ورسله، واليوم الآخر، وتومن بالقدر خيره و شره''، قال: صدقت، قال: فأخبرنى عن الإحسان؟ قال: ''أن تعبد الله كانک تراه فإن لم تكن تراه فانه يراک''، قال فأخبرنى عن الساعة؟ قال: ''ماالمسؤل عنها بأعلم من السائل''، قال فأخبرنى عن أمارتها؟ قال:

''أن تلد الأمة ربتها، وأن ترى الحفاة العراة، العالة، رعاء الشاء، يتطاولون فى البنيان''، قال: ثم انطلق ، فلبثت مليا، ثم قال لى: ''يا عمر! أتدرى من السائل؟'' قلت : الله ورسوله أعلم، قال: ''فإنه جبريل أتاكم يعلمكم دينكم'' (7)

''ایک دن ہم لوگ اللہ کے رسول ﷺ کی بارگاہ میں تھے کہ ہمارے درمیان ایک شخص آیا جس کے کپڑے نہایت سفید اور بال خوب کالے تھے نہ تو اس پر سفر کا کوئی اثر تھا نہ ہم میں سے کوئی اس سے واقف تھا۔ وہ شخص نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھا بایں طور کہ اس نے اپنے گھٹنوں کو حضور کے گھٹنوں سے ملا دیا اور اپنے ہاتھوں کو اپنی رانوں پر رکھ لیا۔ اور کہا اے محمد! مجھے اسلام کے بارے میں بتایئے؟ آپ نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اور نماز قائم کرو، زکاۃ دو، رمضان کے روزے رکھو اور اگر استطاعت ہو تو حج کرو۔'' اس شخص نے کہا: ''آپ نے سچ فرمایا'' راوی (حضرت عمر) کہتے ہیں: ''ہمیں اس شخص سے بہت تعجب ہوا کہ خود سوال کر رہا ہے اور خود ہی تصدیق کر رہا ہے۔'' پھر اس شخص نے پوچھا: ''مجھے ایمان کے بارے میں بتایئے۔'' فرمایا: ''کہ تم ایمان لاؤ اللہ پر اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اس کے رسولوں پر، یوم آخرت پر اور اچھی بری تقدیر پر۔'' اس شخص نے کہا: ''آپ نے صحیح فرمایا۔'' اور کہا کہ: ''مجھے احسان کے بارے میں بتایئے۔'' فرمایا: ''احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہ دیکھ سکو تو (یہ یقین رہے کہ) وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔'' اس شخص نے کہا: ''مجھے قیامت کے بارے خبر دیجئے۔'' فرمایا: ''جس سے پوچھا جا رہا ہے وہ پوچھنے والے سے زیادہ علم نہیں رکھتا۔'' اس شخص نے عرض کیا: ''اچھا تو پھر اس کی نشانیوں کے بارے میں مطلع کیجئے۔'' فرمایا: ''کہ باندی اپنی مالکن کو پیدا کرے گی، اور تم دیکھو گے کہ برہنہ پا و برہنہ بدن، دوسروں پر گزارا کرنے والے، بکریاں چرانے والے، کوٹھیوں میں اترائیں گے۔'' راوی فرماتے ہیں: ''پھر وہ شخص چلے گئے، میں کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا پھر مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے عمر! کیا تم جانتے ہو کہ یہ سوال کرنے والا کون تھا؟'' میں نے عرض کیا: ''اللہ و رسول زیادہ جانتے ہیں۔'' فرمایا: ''یہ جبریل (علیہ السلام) تھے جو تم لوگوں کو تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔''

یہ حدیث حضرت عبد اللہ ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عمارہ ابن قعقاع اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ علاوہ ازیں اکثر روایتوں میں "أن تعبد الله" ہی آیا ہے البتہ بعض روایتوں میں "أن تعمل لله"[8] (اللہ کے لیے یوں عمل کرو۔۔۔) اور بعض دوسری روایتوں میں "أن تخشى الله" [9] (اللہ سے ایسا ڈرو۔۔۔) وارد ہوا ہے۔

اس حدیث کی شرح میں علماء و محدثین نے بڑے ایمانی و عرفانی نکات بیان کئے ہیں۔ ان سب سے قطع نظر یہاں صرف ایک بات عرض کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کی زبان حق ترجمان سے ایک نہایت مہتم بالشان امر کا بیان کروا رہا ہے، ارکان دین متین کی وضاحت کروا رہا ہے، لہٰذا اس مہتم بالشان امر کے شایان شان اہتمام بھی کیا جا رہا ہے، حضرت جبریل کو سائل بنا کر بھیجا جا رہا ہے تا کہ حدیث شریف میں بیان کردہ امور کی قدر و شان کا اندازہ ہو سکے۔ اس حدیث میں حضرت جبریل نے تین سوالات کئے: اسلام کیا ہے؟ ایمان کیا ہے؟ اور احسان کیا ہے؟ اللہ کے رسول ﷺ نے ان سوالوں کے جواب مرحمت فرمائے اور پھر فرمایا کہ: "یہ جبریل تھے جو تم کو تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔" اس طرح یہ حقیقت آفتاب نیم روز کی طرح واضح، اور اس امر میں ظاہر بلکہ نص ہے کہ ایمان، اسلام اور احسان دین محمدی کے تین ارکان ہیں جن میں سے کسی ایک کے بغیر دین مکمل نہیں ہے۔ اور کسی ایک کا بھی انکار دین کا انکار ہے۔

احسان و تصوف:

حدیث جبریل میں جسے احسان کہا گیا ہے بعد میں اسی کا نام تصوف ہو گیا۔ حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: "احسان یہ ہے کہ "أن تعبد الله كأنك تراه فإن لم تكن تراه فإنه يراك" یعنی خدا کی بندگی یوں کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، اس کا مشاہدہ کر رہے ہو، اور اگر تمہیں یہ مقام و مرتبہ حاصل نہ ہو تو کم از کم یوں اس کی بندگی کرو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔" پہلا مرحلہ مرحلۂ مشاہدہ ہے جو اعلیٰ درجے کا ہے یہی تصوف کی منزل ہے، یہی سالکین طریقت کی منتہائے آرزو ہے۔ اور دوسرا مرحلہ مرحلۂ مراقبہ ہے یعنی اس تصور کے ساتھ عبادت کرو کہ تمہاری نگرانی ہو رہی ہے۔ اور مراقبے کا یہ مسلسل تصور کبھی بھی اخلاص کو ہاتھ سے جانے نہیں دے گا۔ تصوف اِنہیں دونوں مرحلوں پر مشتمل ہے۔ اس لیے کہ تصوف نام ہے سلوک اور وصول کا، صوفی یا تو سالک ہوتا ہے یا پھر واصل ہوتا ہے۔ سلوک: راستہ (طریقت) و مراقبہ ہے، اور وصول: منزل و مشاہدہ ہے۔

شارح مسلم امام نووی، ابو زکریا یحی بن شرف متوفی ۶۷۶ھ، فرماتے ہیں:

"قوله ﷺ: (الإحسان أن تعبد الله كانك تراه فإن لم تكن تراه فإنه يراك) هذا من جوامع الكلم التى أوتيها ﷺ، لأنا لو قدرنا أنّ أحد نا قام فى العبادة وهو يعاين ربه

سبحانه تعالى لم يترک شيئاً مما يقدر عليه من الخضوع والخشوع وحسن الصمت.''(10)

''اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان کہ:''احسان یہ ہے کہ تم اس طرح اللہ کی عبادت کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر اسے نہ دیکھ سکو تو یوں گویا وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔'' یہ ان جوامع الکلم میں سے ہے جو آپ ﷺ کو عطا کئے گئے ہیں۔ اس لئے کہ اگر ہم اندازہ کریں کہ ہم سے کوئی اس حال میں عبادت کے لیے کھڑا ہوا ہے کہ وہ اپنے رب سبحانہ تعالی کا مشاہدہ کر رہا ہو، تو وہ خضوع و خشوع اور جمالِ سکینہ ووقار میں سے حسب مقدور کوئی چیز ترک نہیں کر سکتا ہے۔''

اس حدیث کی اہمیت اور جامعیت کا اندازہ قاضی عیاض رحمہ اللہ کے اس بیان سے لگایا جاسکتا ہے جسے امام نووی نے نقل کیا ہے، فرماتے ہیں:

''وهذا الحديث قد اشتمل على شرح جميع وظائف العبادات الظاهرة والباطنة من عقود الإيمان وأعمال الجوارح وإخلاص السرائر، و التحفظ من آفات الأعمال حتى أن علوم الشريعة كلها راجعة إليه، و متشعبة منه، قال: وعلى هذا الحديث وأقسامه الثلاثه ألفنا كتابنا الذى سميناه بالمقاصد الحسان فيما يلزم الإنسان، إذ لا يشذ بشئ من الواحبات والسنن والرغائب والمحظورات والمكروهات عن أقسامه الثلاثه والله أعلم-''(11)

''یہ حدیث شریف ایمان کے ارکان، اعضاء کے اعمال، باطن کے اخلاص اور عمل کی آفتوں سے حفاظت غرض یہ کہ جملہ اعمال ظاہر و باطن کے شرح و بیان پر مشتمل ہے۔ یہ تمام شرعی علوم کی اصل ہے اور سارے علوم اس کی شاخیں ہیں۔ ہم نے اس حدیث میں مذکور تینوں ارکان دین پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ''المقاصد الحسان فيما يلزم الانسان '' رکھا ہے، کیونکہ واجبات ، سنن، مستحبات، ممنوعات اور مکروہات میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو ان تینوں قسموں سے باہر ہو۔''

امام ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، حدیث جبریل میں مذکور احسان اور اس کی تعریف کو دین کا رکن رکین اور تصوف کی اصل متین قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وهذا القدر من الحديث الشريف أصل عظيم من أصول الدين وقاعدة مهمة من قواعد المسلمين- و هوعمدة الصديقين، وبغية السالكين، وكنزالعارفين، ودأب الصالحين، وهومن جوامع الكلم التى أوتيها رسول الله ﷺ.''(12)

"حدیث شریف کا یہ حصہ (أن تعبد الله كانك تراه) دین کے اصول میں سے ایک عظیم اصل ہے اور مسلمانوں کے قاعدوں میں سے ایک اہم قاعدہ ہے۔ یہ صدیقین کا معتمد علیہ، سالکین طریقت کا ہدف و مقصد، عارفین باللہ کا خزانہ اور صالحین کا طریقہ ہے۔ یہ ان جوامع الکلم میں سے ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیئے گئے ہیں۔"

امام نووی و عسقلانی رحمہا اللہ تعالی کی طرح تمام علمائے حق کا اجماع ہے کہ حدیث جبریل میں مذکور "احسان" جو کہ دین کے تین رکنوں میں سے ایک رکن ہے-تصوف ہی ہے۔ اور مرتبۂ احسان کا حصول علم تصوف کے ذریعے ہی ہوتا ہے، کیونکہ جیسے دین کے رکن اول ایمان کی تفسیر علم کلام نے کی ہے، رکن ثانی کی تفصیل و بیان کا کام فقہ نے کیا ہے، ویسے ہی رکن اخیر یعنی احسان کی شرح وبسط اور اس کی عقدہ کشائی کا عمل علم تصوف نے انجام دیا ہے۔ اور ان تینوں کا مصدر و منبع رحمت عالم ﷺ کی ذات بابرکات و ستودہ صفات ہے، ان کی لائی ہوئی کتاب ہے، ان کی سنت و سیرت ہے ،اور ان کی تعلیم و ہدایت ہے۔

ذیل میں تصوف کے عملی منہج کے اہم اور ضروری عناصر کے ساتھ ساتھ سلوک الی اللہ کے چند احوال و مقامات کا کتاب و سنت سے ثبوت پیش کیا جارہا ہے۔ تاکہ تصوف پر عجمیت کا بہتان لگانے والی یا اسے عیسائیت، بدھزم یا ہندومت سے ماخوذ قرار دینے والی نام نہاد "دانشوری" کو مجال سخن نہ رہے۔ واضح رہے کہ یہ ایک محدود سرسری جائزہ ہے، جس میں نہ پورے نظام تصوف کا احاطہ ممکن ہے، اور نہ سارے احوال و مقامات کے ذکر کی گنجائش ہے۔ یہاں تو صرف اس بات کا اثبات مطلوب ہے کہ جس طرح اصل تصوف یعنی احسان کا مصدر سنت نبویہ ہے، اسی طرح اس کے تمام اہم فروع اور سلوک الی اللہ کے تمام مراحل اور احوال و مقامات کا منبع بھی کتاب و سنت ہے۔ لہٰذا پیشِ نظر مقالے میں اس بات کا التزام کیا گیا ہے کہ نہ منطقی دلائل پیش کئے جائیں نہ عقلی حجتوں سے تعرض کیا جائے، نہ فقہی، کلامی، تفسیری اور تاریخی روایتوں پر اعتماد کیا جائے اور نہ صوفی یا غیر صوفی کسی بھی غیر معصوم کے قول کو سند بنایا جائے، بلکہ صرف اور صرف حجتِ معصومہ پر اکتفاء کیا جائے۔ محض اللہ عزوجل کی کتاب اور سنت صحیحہ ثابتہ کو ہی دلیل بنایا جائے۔ تاکہ یہ ایک طرف اہل تصوف کے لیے حجت ہو اور دوسری طرف معارضین تصوف کے لئے عبرت و نصیحت ہو۔

تصوف کا عملی منہج

ا- صحبت:

صالحین کی صحبت سالکین طریقت کی پہلی منزل ہوتی ہے، حکم ربانی ہے:

1. "یاایھا الذین آمنوا اتقواللہ وکونوامع الصادقین"[13]

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔''

صحبت کی اہمیت وضرورت کا بیان، سورۃ الاحزاب: ۲۳، الکہف: ۲۸، ۶۶، ۶۷، لقمان: ۱۵، الفرقان: ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۵۹، اور الزخرف: ۶۷، میں بھی ہوا ہے۔ رحمت عالم ﷺ صحبت کے اثرات کو لازمی قرار دیتے ہوئے بے حد دلکش اور یقین افروز مثال پیش فرماتے ہیں:

''إنما مثل جليس الصالح وجليس السوء كحامل المسک ونافخ الكير، فحامل المسک إما أن يحذيک، وإما أن تبتاع منه، وإما أن تجد منه ريحا طيبة، و نافخ الكير، إماأن يحرق ثيابک و إما أن تجد منه ريحا منتنة۔'' (14)

''اچھے اور برے ہم نشین کی مثال ایسی ہے جیسے مشک رکھنے والا، اور لوہار کی دھونکنی دھونکنے والا، مشک رکھنے والا یا تو تمھیں ہدیہ دے گا یا تم اس سے خریدو گے یا اس سے اچھی خوشبو پاؤ گے، اور دھونکنی والا یا تو تمہارے کپڑے جلادے گا یا تم اس سے بری بدبو پاؤ گے۔''

یعنی صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے چنانچہ اچھوں کی صحبت سے فائدہ ضرور ہوتا ہے کم ہو یا زیادہ اسی طرح بروں کی صحبت سے نقصان ضرور ہوتا ہے کم ہو یا زیادہ۔ بلکہ ایک دوسری حدیث میں تو آپنے صراحت کے ساتھ فرمایا کہ لوگ اپنے دوستوں کے عقیدہ و مذہب پر ہوتے ہیں، چنانچہ امام ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، اور امام ابوداؤد متوفی ۲۷۵ھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''الرجل على دين خليله فلينظر أحدكم من يخالل۔'' (15)

''ہر شخص اپنے دوست کے طریقے پر ہوتا ہے لہٰذا تم سے ہر ایک غور کرے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔''

۲- بیعت:

سالک وصوفی ابتدائے سلوک میں شیخ کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں تھام کر نیکیوں کے التزام اور گناہوں کے اجتناب کا عہد کرتا ہے۔ اسی عہد کا نام بیعت ہے۔ تصوف میں اس کی بے حد اہمیت ہے۔ اس بیعت کی ضرورت اور اس کا مقصد وطریقہ سب کچھ کتاب وسنت سے ماخوذ ہے۔

قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے:

''إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا '' (16)

"جو لوگ آپ کی بیعت کر رہے ہیں در حقیقت وہ اللہ کی بیعت کر رہے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے، تو جس نے بیعت کو توڑا اس کا وبال اسی پر ہو گا اور جس نے اللہ سے کئے گئے عہد کو پورا کیا تو اللہ تعالیٰ اسے جلد ہی بڑا اجر دے گا۔"

سنت نبویہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام میں اخذ بیعت اور حصول عہد کی متعدد صورتیں ملتی ہیں، جیسے مردوں کی بیعت، عورتوں کی بیعت، فرد واحد کی بیعت، پوری جماعت کی بیعت وغیرہ، یہاں تک کی نابالغ بچوں کی بیعت بھی سنت صحیحہ میں ملتی ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ الباری متوفی ۲۵۶ھ، حضرت عبادہ بن صامت سے روایت کرتے ہیں کہ، ارشاد نبوی ہے:

"بایعونی علی أن لاتشرکوا باللہ شیئاً، ولا تزنوا، ولا تقتلوا أولادکم ولاتأتوا ببهتان تفترونه بین أید یکم وأرجلکم، ولا تعصوا فی المعروف، فمن وفّی منکم فأجره علی اللہ، ومن أصاب من ذلک شیئاً فعوقب فی الدنیا فهوکفارة له، ومن أصاب من ذلک شیئاً ثم سترہ اللہ فهوإلی اللہ إن شاء عفا عنه و إن شاء عاقبه، فبا یعناه علی ذلک"(17)

"اس شرط پر میری بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے، چوری نہیں کروگے، زنا نہیں کروگے، اپنی اولاد کو قتل نہیں کروگے، بہتان کے ذریعے کھلی افتراء پردازی نہیں کروگے، بھلائی میں نافرمانی نہیں کروگے۔ پس تم میں سے جو بھی عہد کو پورا کرے گا اس کی جزاء اللہ کے ذمہ ہے، اور جس سے ان میں سے کوئی چیز سرزد ہو گئی پھر دنیا میں اسے سزا مل گئی تو وہ سزا اس کے لیے کفارہ ہو گی، اور جس سے ان میں سے کوئی گناہ سرزد ہوا پھر اللہ نے اسے پوشیدہ رکھا تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، چاہے گا تو معاف کر دے گا اور چاہے گا تو سزا دے گا۔ پھر ہم نے اسی پر آپ کی بیعت کی۔"

۳- مجاہدہ:

جہاد کی طرح مجاہدہ بھی فعل: "جاهد/ یجاهد" کا مصدر ہے: جیسے "عاقب/ یعاقب/ معاقبة وعقابا"، البتہ عام استعمال میں مجاہدہ: جہاد بالنفس کے لیے، اور جہاد: ظاہری دشمن سے مجاہدہ بالسلاح کے لیے بڑی حد تک مخصوص ہو گیا ہے۔ لیکن اصل معنی کی رعایت میں دونوں ایک دوسرے کی جگہ بھی خوب استعمال ہوتے ہیں۔ مجاہدے کی تین قسمیں ہیں: ۱- ظاہری دشمن سے مجاہدہ، ۲- شیطان سے مجاہدہ اور ۳- نفس سے مجاہدہ۔ اور مجاہدے کی یہ تینوں قسمیں شرعاً مطلوب ہیں لیکن آخر الذکر یعنی مجاہدۂ نفس کو بقیہ دونوں قسموں پر ایک گونہ فضیلت حاصل ہے کیونکہ جو لوگ

مجاہدۂ نفس کی منزل سے گزر چکے ہوتے ہیں وہی صحیح معنوں میں ظاہری دشمن سے مجاہدے (جہاد) کا حق ادا کر سکتے ہیں۔ اسی لیے مجاہدۂ نفس کو "جہاد اکبر" کہا گیا ہے۔ آج امت اسلامیہ غیر مزکی نفوس کے جہاد سے جس قدر آزردہ اور جس طرح اقوام عالم کے سامنے متہم ہے اس کے بیان کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ اگر گزشتہ ۲۰-۲۵ سالوں میں ان نام نہاد مجاہدوں کی "پروگریس رپورٹ" دیکھئے تو ان کے ہاتھوں سے مرنے والوں میں مسلمانوں کی تعداد غیر مسلموں کی تعداد سے ہزاروں گنا زیادہ ہے۔ صرف ایک الجزائر میں لاکھوں مسلمانوں اس "جہادی جنون" کا شکار ہو چکے ہیں۔ ان مظلوموں کا جرم صرف اتنا تھا کہ وہ ائمہ کی تقلید کرتے تھے اور تصوف کی تائید کرتے تھے۔

مجاہدۂ نفس بھی کتاب و سنت سے ماخوذ ہے، امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ آیت کریمہ " وَجَاهِدُوْا فِيْ اللهِ حَقَّ جِهَادِهِ" (18) یعنی اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حکم ہے۔ اور آیت کریمہ : "وَجَاهِدُوْا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ" (19) یعنی اپنے مال اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو، ان آیتوں میں ظاہری دشمن، شیطان اور نفس تینوں سے جہاد شامل ہے۔ یعنی یہ آیتیں جہاد کی تینوں قسموں کا احاطہ کئے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب جہاد کی تین قسمیں ہیں تو کتاب و سنت میں جہاں جہاں جہاد کا حکم ہو گا اس میں یہ تینوں قسمیں داخل ہوں گی ہاں اگر کسی آیت یا حدیث میں ایسا کوئی قرینہ ہو جو اسے ایک ہی قسم میں محدود کر دے تو وہاں قرینے کے مطابق جہاد کی وہی مخصوص قسم مراد ہو گی۔ مثلاً اگر قتال کے شروع ہونے سے قبل اور جہاد بالسیف کا حکم آنے سے پہلے کسی آیت میں جہاد کا حکم ہے تو یہ ایک قرینہ ہے کہ یہاں جہاد سے مراد مجاہدۂ نفس ہے: جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

"وَالَّذِيْنَ جَاهِدُوا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا" (20)

"جنھوں نے ہماری رضا کی طلب میں مجاہدہ کیا ہم انھیں اپنی راہیں ضرور دکھائیں گے۔"

یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی ہے اور قتال مدینہ میں فرض ہوا لہٰذا یہ بات طے ہے کہ آیت میں مجاہدے سے مراد مجاہدۃ نفس یا مجاہدۂ شیطان ہے۔ مفسرین کرام نے بھی اس کی تائید کی ہے، امام قرطبی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد متوفی ۶۷۱ھ، فرماتے ہیں:

"قال السدی وغیرہ إن ھذہ الآیة نزلت قبل فرض القتال" (21)

"امام سدی اور دوسرے ائمہ تفسیر فرماتے ہیں کہ یہ آیت جہاد کی فرضیت سے قبل نازل ہوئی۔"

شیخ ابو محمد عبد الحق اندلسی متوفی ۵۴۶ھ، اپنی کتاب " المحرر الوجیز فی تفسیر کتاب اللہ العزیز" میں فرماتے ہیں کہ آیت میں جہاد و مجاہدہ سے مراد ہے:

"مجاھدة النفس فی طاعة اللہ عزوجل وھوالجھاد الأکبر" (22)

"اللہ کی اطاعت میں نفس سے مجاہدہ کرنا ہے، اور وہی جہاد اکبر ہے۔"

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ، فرماتے ہیں:

''أی من جاهد بالطاعة هداه سبل الجنة''(23)

''جس نے اطاعت و بندگی کے ساتھ مجاہدہ نفس کیا تو اللہ نے جنت کے راستوں کی جانب اس کی ہدایت کی۔''

علامہ شہاب الدین محمود آلوسی بغدادی متوفی ۱۲۷۰ھ، لکھتے ہیں:

''قال ابن عطا: أی الذین جاهد وا فی رضانا لنهد ینهم إلی محل رضانا۔''(24)

ابن عطا فرماتے ہیں کہ اس آیت کا معنی ہے کہ جن لوگوں نے ہماری رضا کے حصول کے لیے مجاہدۂ نفس کیا ہم انہیں مقام رضا تک ضرور پہنچائیں گے۔

رحمت عالم ﷺ نے بھی مجاہدہ نفس کو جہاد کی تینوں قسموں میں سب سے افضل قرار دیا ہے۔ اور اپنی امت کو اس کی ترغیب دی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

''المجاهد من جاهد نفسه فی الله '' ''حقیقی مجاہد وہ ہے جو راہ خدا میں مجاہدۂ نفس کرے۔''

امام ترمذی نے کتاب فضائل الجہاد میں اس کی تخریج کی ہے اور فرمایا ہے: ''حدیث حسن صحیح''۔(25)

بعض روایتوں میں 'لله' یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے مجاہدۂ نفس کرے، بھی آیا ہے۔(26)

۴- ذکر:

قرآن کریم میں یہ لفظ متعدد معنوں میں استعمال ہوا ہے کبھی یہ کتاب اللہ کے معنی میں آیا ہے ''إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ''(27) کبھی نماز جمعہ کے لیے استعمال ہوا ہے ''فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ''(28) تو کبھی علم کے معنی میں استعمال ہوا ہے ''فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ'' لیکن بایں ہمہ کتاب اللہ میں اس لفظ کا غالب استعمال اسی معنی میں ہوا ہے جس معنی میں اہل تصوف کے یہاں یہ لفظ رائج ہے۔ یعنی تسبیح و تہلیل و تکبیر و حمد و ثنا اور درود و سلام وغیرہ، ارشاد ربانی ہے:

'' يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا، وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ''(29)

''اے ایمان والوں اللہ تعالیٰ کا خوب ذکر کیا کرو اور صبح و شام اس کی پاکی بیان کیا کرو۔''

اس کے علاوہ بے شمار آیات میں ذکر الٰہی کی اہمیت، فضیلت اور ثمرات کا ذکر ملتا ہے مثلاً: البقرہ:۱۵۲، ال عمران ۴۱، ۱۹۱، الاحزاب ۳۵، الرعد:۲۸، البقرة:۱۱۴، النور، ۳۶، ۳۷، المنافقون:۹، اور الاحزاب:۳۵، وغیرہ وغیرہ۔

اگر ہم سنت نبوی کی طرف دیکھیں تو اس میں تصوف کا تذکرہ ان کلمات کے ساتھ ملتا ہے: ''ذکر '' (یاد کرنا) ''تذکیر'' (یاد کرانا)، ''مذاکرہ '' (شیخ پر احوال قلب کو پیش کرنا) اور ''حلقہ ہائے ذکر'' کا ثبوت بھی ملتا ہے۔

ا ذکر:

مذکر اعظم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

''مثل الذی یذکر ربه والذی لایذکر ربه مثل الحی والمیت۔''(30)

''اپنے رب کا ذکر کرنے والے اور اپنے رب کا ذکر نہ کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے زندہ اور مردہ۔''

یعنی ذکر کرنے والا ہی حقیقت میں زندہ ہے اور ذکر نہ کرنے والا مردہ ہے، شاید اسی لیے تصوف میں ذکر الٰہی کو روح کی غذا کہتے ہیں جس کے بغیر روح زندہ نہیں رہتی ہے۔

ب: تذکیر:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ''(31)

''یاد کرایئے اس لیے کہ یاد کرانا مومنین کو منع نفع پہنچاتا ہے۔''

اللہ کے رسول ﷺ نے بھی متعدد مقام پر تذکیر کی اہمیت پر زور دیا ہے اور اس کا شوق دلایا ہے۔ حدیث قدسی ''أنا عند ظن عبدی بی'' (میں اپنے بندے سے ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے) میں اللہ رب العزت جل جلالہ فرماتا ہے:''وإن ذکرنی فی ملأ ذکرته فی مَلأ خیرمنه''(32)(اگر میرا بندہ ایک گروہ میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس سے بہتر گروہ میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔ اور مجمعے میں ذکر الٰہی کرنا، یا لوگوں کو ذکر سنانا اور انھیں ذکر کرانا یہ سب تذکیر ہے۔

ج- مذاکرہ:

اہل ذکر سے سوال واستفسار مذاکرہ کہلاتا ہے، آیت:

''فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ''(33) اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھو،

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان:''المستشار مؤتمن''(34) یعنی مشورہ کرنے والا ماموں رہتا ہے، مذاکرے کو بھی شامل ہیں۔ مذاکرہ سالک کا اپنے شیخ سے مشورہ ہی ہوتا ہے۔

امام مسلم بن حجاج نیشاپوری متوفی ۲۶۱ھ، اپنی الجامع الصحیح، کتاب التوبہ میں حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: ''ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مجھے ملے تو پوچھا کہ: اے حنظلہ کیسے ہو؟ میں نے کہا کہ: حنظلہ تو منافق ہو گیا، کہا: سبحان اللہ! کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے کہا کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس ہوتے ہیں اور آپ ہمیں جنت و دوزخ کی تذکیر (یاد) کراتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ ہم انہیں سر کی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں لیکن جب ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس سے نکلتے ہیں تو ہم بیوی بچوں اور روزی میں لگ جاتے ہیں اور بہت کچھ بھول جاتے ہیں۔ تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: خدا کی

قسم مجھے بھی اس طرح پیش آتا ہے۔ تو ہم دونوں چل کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور میں نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ حنظلہ تو منافق ہو گیا، فرمایا کہ: وہ کیسے؟ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ جب ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں اور آپ ہمیں جنت و دوزخ کی یاد کراتے ہیں تو لگتا ہے کہ ہم انہیں سر کی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، اور جب آپ کے پاس سے نکلتے ہیں تو گھر والوں اور کاروبار میں لگ جاتے ہیں اور بیشتر باتیں فراموش کر دیتے ہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ اگر تم لوگ جس حالت میں میرے پاس اور ذکر کے وقت ہوتے ہو اسی پر ہمیشہ باقی رہو تو فرشتے تمہارے بستروں پر اور تمہارے راستوں میں تم سے مصافحہ کرنے لگیں، لیکن اے حنظلہ وقت وقت کی بات ہوتی ہے (یہ تین بار فرمایا)'' (35)

الحمد للہ کہ اس حدیث شریف میں ذکر، تذکیر اور مذاکرہ تینوں کا ثبوت موجود ہے۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دل کے خیالات کو جس طرح حضور ﷺ کے سامنے پیش کیا اور حضور ﷺ نے انہیں جس طرح جواب مرحمت فرمایا۔ اس کو تصوف کی اصطلاح میں مذاکرہ کہتے ہیں۔

د- حلقہ ذکر:

حلقۂ ذکر کا انعقاد صوفیاء کے معمولات کا اہم حصہ ہے۔ اس کا مرجع بھی نبوی تعلیمات ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''إذا مررتم برياض الجنة فارتعوا- ''، قالوا: وما رياض الجنة ؟ قال: ''حلق الذكر''(36)

''جب تم جنت کی کیاریوں سے گزرو تو چر لیا کرو یعنی اس سے استفادہ کر لیا کرو، عرض کیا یارسول اللہ جنت کی کیاریاں کیا ہے؟ فرمایا حلقہ ہائے ذکر۔''

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کردہ یہ حدیث جسے انہوں نے ''حسن'' کہا ہے، نہ صرف حلقۂ ذکر کی غیر معمولی اہمیت کی دلیل ہے بلکہ اس میں حلقہ ذکر میں شرکت کرنے کی زبردست ترغیب بھی ہے۔ اسی طرح ذکر الٰہی کی تمام دوسری قسمیں جیسے: سری و جہری، لسانی و قلبی، حرکی و سکونی، فردی و اجتماعی وغیرہ تمام معمولات صوفیا کا ذکر احادیث میں ملتا ہے۔

۵- خلوت:

تصوف میں خلوت کی بڑی اہمیت ہے۔ ظاہر بیں لوگ اسے صوفیا کی بدعت سمجھتے ہیں لیکن صوفیائے کرام اس کا التزام اپنے رب کی اطاعت اور اس کے حکم کی بجا آوری میں کرتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

''وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ''(37)

''اپنے رب کے نام کا ذکر کیجئے اور پوری طرح سب سے علاحدہ ہو کر اسی کے ہو جایئے۔''

اس آیت میں خطاب اگرچہ رسول اللہ ﷺ سے ہے، لیکن اس میں موجود خلوت کا حکم سبھی کے لیے عام ہے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ اگر آپ ﷺ کو کوئی حکم دیا جائے لیکن آپ کے ساتھ اس کے مخصوص ہونے کی کوئی دلیل نہ ہو تو پوری امت سے اس حکم کی بجاآوری مطلوب ہوتی ہے۔

حکم ربانی کی پیروی کے ساتھ ساتھ صوفیاء کی خلوت نشینی رحمت عالم ﷺ کی سنت کے اتباع میں ہوتی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ”جاورت بحراء شهرا“[38](۲۵)یعنی میں نے ایک ماہ غار حرا میں خلوت نشینی کی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ رسول ﷺ پر وحی کی ابتدا سوتے وقت رویائے صالحہ سے ہوئی۔ آپ جو بھی خواب دیکھتے تھے وہ دن کی مانند واضح طور پر پیش آتا تھا۔ مزید فرماتی ہیں کہ:

”ثم حبب إليه الخلاء ويخلو بغار حراءٍ، فيتحنث فيه ـ وهو التعبد ـ الليالی ذوات العدد“[39]

”پھر آپ کو خلوت نشینی محبوب کردی گئی، اور آپ کئی کئی رات غار حراء میں خلوت نشیں رہ کر عبادت کیا کرتے تھے۔“

ب-احوال ومقامات

ا- توبہ:

شرعاً قابل مذمت سے لائق ستائش کی طرف رجوع کرنے اور لوٹنے کا نام توبہ ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

”يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا تُوْبُوْ اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَصُوْحًا“[40]

”اے ایمان والو! اللہ تعالی سے سچی اور کھری توبہ کرو۔“

توبہ واستغفار کا ذکر قرآن میں جابجا ملتا ہے۔ یہ قلب سالک کا پہلا مقام ہے لہٰذا تصوف میں توبہ کی بڑی اہمیت ہے کیوں کہ صحیح توبہ پر ہی سلوک کی اگلی منزلوں کا دارومدار ہوتا ہے۔ چنانچہ صوفیا کے یہاں توبہ کا بہت اہتمام ملتا ہے، اور اسے فاتح باب سلوک مانا جاتا ہے۔ خود ہادی اعظم ﷺ کا ارشاد ہے۔

”يا أيها الناس توبوا إلى الله، فإنی أتوب فی اليوم إليه مائة مرة-“[41]

”اے لوگو! اللہ سے توبہ کرو، میں بھی ہر روز اس سے سو بار توبہ کرتا ہوں۔“

۲- محاسبہ:

نفس سے حساب لینے اور اس کی نگرانی کرنے کو محاسبہ کہتے ہیں، ارشاد ربانی ہے:

''ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ'' (42)

''پھر اس دن تم سے ضرور ضرور نعمتوں کا حساب لیا جائے گا۔''

چنانچہ صوفیا آخرت کے حساب سے پہلے ہی ہمہ وقت نفس کا محاسبہ کرتے رہتے ہیں، تاکہ آخرت میں محاسبہ کے وقت شرمندگی نہ ہو، اور یہی سچی دانائی ہے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

''الكيس من دان نفسه، وعمل لما بعد الموت''(43)

(عقلمند اور داناوہ ہے جو اپنے نفس کا اچھی طرح محاسبہ کرے، اور مرنے کے بعد کے لیے عمل کرے۔)

۳- خوف:

مستقبل میں کسی ناپسندیدہ چیز کی توقع کی وجہ سے جو قلبی تکلیف ہوتی ہے اسے خوف کہتے ہیں۔ تصوف میں خوف کا درجہ بہت بلند ہے۔ کیوں کہ یہ عرفان خداوندی کی دلیل ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءَ''(44)

''بے شک اللہ سے خوف کرنے والے اس کے عالم بندے ہی ہیں۔''

خوف خداوندی ایمان کی نشانی ہے:

''وَخَافُوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ'' (45)

(اگر ایمان والے ہو تو مجھ سے ڈرو۔)

خوف کا یہ مقام ہے کہ اللہ کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرنے والوں کے لیے دو دو جنتیں ہیں دنیا میں جنت معارف، اور عقبی میں جنت زخارف، ارشاد الٰہی ہے:

''وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّه جَنَّتَان'' (46)

''اور جو اللہ کی بارگاہ میں کھڑے ہونے سے ڈرا اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔''

مصطفی جان رحمت ﷺ فرماتے ہیں:

''من خاف أدلج ومن أدلج بلغ المنزل ألا إن سلعة الله الغالية ألا إن سلعة الله الجنة.''(47)

''جس نے خوف کیا وہ اندھیرے منھ چل پڑا، اور جو اندھیرے منھ چل پڑا وہ منزل پر پہنچ گیا۔ یاد رکھو! متاع الٰہی بہت گراں ہے، یاد رکھو! متاع الٰہی جنت ہے۔''

۴- رجاء (امید):

یہ مقام مقامِ خوف کا متمم اور اس کی تکمیل کرنے والا ہے۔ بلکہ کہا گیا ہے کہ: الإیمان بین الخوف والرجائ'' یعنی ایمان امید و بیم کے درمیان ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

''قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ، اِنْ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهُ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمِ.''(48)

''کہہ دیجیے کہ اے میرے بندو! جنھوں نے خود پر ظلم کیا ہے وہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں، بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کی مغفرت فرماتا ہے، وہ بڑی مغفرت اور نہایت مہربانی کرنے والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ سے ہر حال میں رجاءوامید رکھنی چاہیے اس لیے کہ وہ فرماتا ہے کہ:

''وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْئٍ''(49)

''یعنی میری رحمت ہر چیز کو شامل ہے۔''

امام بیہقی نے سعید ابن مسیب سے روایت کی ہے، فرماتے ہیں کہ حضرت عمر مریض ہوئے تو اللہ کے رسول ﷺ ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے، اور پوچھا: ''اے عمر خود کو کیسا پارہے ہو؟'' عرض کیا: امید بھی رکھتا ہوں اور ڈرتا بھی ہوں، تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''مااجتمع الرجاء والخوف فی قلب مومن إلا أعطاه الله الرجاء وآمنه من الخوف(50)

''جب بھی کسی مومن کے دل میں امید اور خوف اکٹھا ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس مومن کی امید پورا فرماتا ہے اور اسے اس خوف سے امن رہتا ہے۔''

۵- صدق:

صدق سیر الی اللہ کا ایک اہم مقام اور احوال قلب میں سے ایک بلند مرتبت حالت ہے۔ صوفیاء کے نزدیک صدق کا تعلق عوام کی طرح صرف زبان سے نہیں ہوتا ہے بلکہ دل، اعمال اور احوال سے بھی ہے۔ تصوف میں صدق کی فضیلت واہمیت کتاب وسنت کا ہی اثر ہے۔ اللہ کی کتاب میں صدیقین کا درجہ انبیاء کے فوراً بعد آیا ہے (النساء:۶۹) اور مومنین کو صادقین کی صحبت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (التوبہ:۱۱۹)

شیخین رحمہما اللہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

''إن الصدقه يهدى إلى البر وإن البر يهدى إلى الجنة '' (51)

''بیشک صدق نیکی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور نیکی جنت کی طرف لیجاتی ہے۔''

۶- اخلاص:

اخلاص خدا اور بندے کے درمیان ایسا راز ہے جس پر کوئی مطلع نہیں ہوتا ہے۔ تصوف میں اخلاص کا بلند مقام سنت

وکتاب ہیں اس کے بلند مقام کا ہی پرتو ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''قُلْ اِنِّیْ اُمِرْتُ اَنْ أَ عْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّیْنُ ''(52)

''کہہ دیجیے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کروں خالص اسی کا ہو کر۔''

رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں:

''إن الله لا يقبل من العمل إلا ماكان له خالصا'' (53)

''اللہ تعالیٰ صرف وہی عمل قبول کرتا ہے جو خالص اس کے لیے ہو۔''

مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی مشہور حدیث ہے کہ:

''إن الله لا ينظر إلى أجسامكم ولا إلى صوركم ولكن ينظر إلى قلوبكم'' (54)

''اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں کو دیکھتا ہے اور نہ تمہاری صورتوں کو دیکھتا ہے وہ بس تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔''

اخلاص اعمال کی روح ہے جس طرح کوئی جسم روح کے بغیر زندہ نہیں رہتا اسی طرح کوئی عمل اخلاص کے بغیر قبول نہیں ہوتا ہے۔

۷- صبر:

اللہ کے سوا کسی سے بھی تکلیف و مصیبت کی شکایت نہ کرنا صبر کہلاتا ہے، صبر وہ کسوٹی ہے جو سالکین طریقت کو کندن بناتی ہے۔ قرآن کریم کی بہت سی آیتوں میں صبر کی فضیلت کا بیان ہے۔ کہیں اللہ تعالیٰ صبر سے مدد مانگنے کا حکم دے رہا ہے، تو کہیں صابرین کے ساتھ اپنی معیت کا ذکر کر رہا ہے (البقرہ:۱۵۳)؛ کہیں صابروں کو بشارت دینے کا حکم دے رہا ہے (البقرہ:۱۵۶)، تو کہیں صابروں سے اپنی محبت کا تذکرہ فرما رہا ہے (آل عمران:۱۴۵)؛ کہیں صابروں کے بے حساب اجر دینے کا وعدہ کر رہا ہے (الزمر:۹)، تو کہیں انہیں سچا اور متقی ہونے کا تمغہ عطا کر رہا ہے۔ (البقرہ:۱۷۶)

حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''ما أعطى أحد من عطاء خيراً وأوسع من الصبر'' (55)

(صبر سے زیادہ بہتر اور وسیع عطیہ کسی کو بھی نہیں دیا گیا۔)

۸- ورع:

حرام میں مبتلا ہونے کے خوف سے شبہات سے بھی بچنے کا نام ورع ہے۔ یہ وہ مقام ہے جس کے بغیر بندہ متقی نہیں

ہو سکتا ہے۔ رسول کریم ﷺ کا فرمان ہے:

''لایبلغ العبد أن یکون من المتقین حتی یدع مالا بأس به حذرا مما به بأس'' (56)

''بندہ اس وقت تک متقیوں میں شامل نہیں ہو سکتا ہے جب تک وہ حرج والی چیزوں کے خوف سے غیر حرج والی چیزوں کو نہ چھوڑ دے۔''

صوفیا کے لیے اس سے بڑی کوئی سند اور مقام ورع کے لیے اس سے بڑی کوئی فضیلت نہیں ہو سکتی کہ اسے نبی کریم ﷺ نے سب سے بلند مرتبہ عبادت قرار دیا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں:

''یا أبا هریره کن ورعا تکن أعبد الناس'' (57)

''اے ابو ہریرہ ورع اختیار کرو تو سب سے بڑے عبادت گزار بن جاؤ گے۔''

حضور کی انہیں تعلیمات کا اثر ہے کہ صوفیا کی کتابوں اور ان کے اعمال دونوں میں ورع کو بے حد نمایاں اور امتیازی مقام حاصل ہے۔

۹- زہد:

دل کو دنیا کی خواہش و محبت سے خالی کر کے اسے اللہ کی محبت و معرفت سے آباد کرنے کا نام زہد ہے۔ زہد کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ انسان دنیا کو ناقابل اعتناء سمجھے۔

مادہ پرستی کی یلغار اور اس کے تسلط کے اس دور میں کچھ لوگوں نے دنیا اور اس کی لذتوں کو حقیر و ناقابل التفات سمجھنے کے صوفی رویے کو غیر اسلامی قرار دیا ہے۔ اور اس کا رشتہ عیسائی رہبانیت اور عجمی تقشف سے جوڑنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ ساری تگ و دو کتاب و سنت سے بے خبری کی دلیل ہے۔ قرآن کریم کی متعدد آیتوں میں دنیا کی تحقیر اور بے ثباتی کا ذکر ہے۔ کئی مقام پر دنیا کے مال و متاع کو دھوکہ، فتنہ اور لہو و لعب قرار دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر دیکھیے: سورۃ الروم: ۶۰، العنکبوت: ۶۴، الکہف: ۴۷، وغیرہ۔

دوسری طرف شارع علیہ السلام کی تعلیمات میں نظری طور پر اور ان کی حیات طیبہ میں عملی طور پر دنیا و متاع دنیا کی تحقیر و مذمت ملتی ہے۔ دراصل صوفیا کا زہد نبی کریم ﷺ کے عطا کردہ انہیں نظری و عملی نمونوں سے ماخوذ ہے۔

کبھی آپ ﷺ اپنے صحابہ سے کہتے ہیں: ''فاتقوا الدنیا '' (58) یعنی دنیا سے ڈرو، تو کبھی آپ حضرت ابن عمر کو دنیا میں اس طرح جینے کی تلقین کرتے ہیں جیسے مسافر ہوتا ہے: ''کن فی الدنیا کأنک غریب أو عابر سبیل'' (59) کہیں دنیا کی بے وقعتی کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں: ''لوکانت دنیا تعدل عند الله جناح بعوضة ماسقی کافرا منها شربة مائ'' (60) یعنی اگر دنیا اللہ کی نظر میں مچھر کے پر کے بھی برابر ہوتی تو کسی کافر کو اس سے ایک گھونٹ پانی نہ

ملتا؛ کبھی ننگی چٹائی پر لیٹنے سے جسم مبارک پر اثر ظاہر ہو جاتے تھے جب صحابہ عرض کرتے کہ: اے اللہ کے رسول آپ اس پر کوئی گداوغیرہ کیوں نہیں ڈال لیتے تو مالک کونین ﷺ انہیں یہ جواب دیتے:

''مالی والدنیا، ما أنا فی الدنیا إلا کراکب استظل تحت شجرة ثم راح وترکها.''(61)

''مجھے دنیا سے کیالینا دنیا، میں تو دنیا میں اس مسافر کی طرح ہوں جو کسی درخت کے نیچے سایہ لینے کو روکتا ہے اور پھر اسے چھوڑ کر آگے بڑھ جاتا ہے۔''

۱۰- رضا:

تقدیر و قضا کی سختی پر دل کے سکون واطمینان کا نام رضا ہے۔ یہ مقام مقامِ صبر سے بلند ہے ﷺ نے اس کی بڑی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں یہ بندے کو اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی عطا ہے۔ باری تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنَّاتِ عَدْنٍ وَرِضْوَانٌ مِنَ اللهِ اَكْبَرُ (62)

یعنی مالک جنت کی رضا جنت سے افضل ہے اور رضائے الٰہی پانے کے لیے پہلے اس کی قضا سے راضی ہونا پڑتا ہے۔ ''رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ'' (63)

رحمت عالم ﷺ نے رضا کی اعلیٰ ترین مثال پیش کی ہے۔ اہل طائف نے جب آپ کو پتھروں سے لہولہان کر دیا تو آپ اپنے رب کو مخاطب کر کے انتہائی گریہ وزاری سے عرض کرتے ہیں:

''إن لم تکن ساخطا علیَّ فلا أبالی۔'' (64)

''اے رب اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو مجھے کچھ پرواہ نہیں ہے۔''

ارشاد نبوی ہے:

''وارض بما قسم الله لک تکن أغنی الناس'' (65)

''جو اللہ نے تمہاری قسمت میں لکھا ہے اس سے راضی ہو جاؤ تو سب سے زیادہ غنی ہو جاؤ گے۔''

نبوی تعلیم کے مطابق اللہ سے راضی رہنے میں ہی انسان کی سعادت و خوش بختی ہے۔

''من سعادة ابن آدم رضاه بما قضی الله له'' (66)

''ابن آدم کی خوش بختی اس میں ہے کہ وہ اپنے لیے اللہ کی بنائی تقدیر سے راضی رہے۔''

واضح رہے کہ تصوف میں رضا کا مطلب ترک اعتراض ہے، ترک کوشش نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں شام میں طاعون پھیلا تو آپ نے اسلامی فوجوں کو شام میں داخل ہونے سے منع کر دیا اس پر حضرت ابو عبیدہ نے کہا: ''أفرارا من قدر الله'' کیا آپ قضا و قدر سے بھاگ رہے ہیں۔ تو حضرت عمر نے کہا: اے ابو عبیدہ کاش کہ یہ بات آپ

کے علاوہ کسی اور نے کہا ہوتی:"نحن نفر من قدر الله إلى قدره"[67]یعنی ہم تو اللہ کی تقدیر سے اس کی تقدیر ہی کی طرف بھاگ رہے ہیں۔

۱۱- توکل:

توکل سیر الی اللہ کا ایک اعلی مقام اور طریقت و تصوف کی بلند مرتبت منزل ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ یہ رحمان کے نزدیک شرط ایمان ہے۔

"وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ" [68]

"اگر تم مومن ہو تو اللہ ہی پر بھروسہ کرو۔"

اللہ تعالیٰ متوکلین سے محبت کرتا ہے[69](آل عمران:۱۵۹)اور اس نے متوکلین کی کفالت کا وعدہ کیا ہے۔[70]

ارشاد نبوی ہے:

"لو توكلتم على الله حق توكله لرزقكم كما يرزق الطير، تغدو خماصا وتروح بطانا."[71]

"اگر تم لوگ اللہ پر کماحقہ توکل کرتے تو وہ تمہیں اس طرح رزق دیتا جسے جیسے کہ پرندوں کو رزق دیتا ہے، جو صبح خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو بھرے پیٹ واپس آتے ہیں۔"

امام حاکم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث شیخین کی شرطوں پر صحیح ہے۔اگرچہ انہوں نے اس کی تخریج نہیں کی ہے۔[72]

واضح رہے کہ صوفیا کے یہاں توکل کا یہ معنی نہیں ہے کہ انسان ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے کیوں کہ سعی و عمل اور جد وجہد توکل کے منافی نہیں ہے۔صوفیائے کرام کا توکل یہ ہے کہ ان کے لیے جو اللہ کے پاس ہے اسی پر بھروسہ ہو اور جو لوگوں کے ہاتھوں میں ہو اس سے پوری طرح سے مایوسی ہو۔تصوف میں ترک اسباب اور کوشش کو توکل نہیں بلکہ اسے "تواکل" کہتے ہیں جو اسلام کے منافی اور ایک مذموم صفت ہے۔اگر کسی نے تصوف کے نام پر "تواکل" کو اپنایا ہے تو تصوف اس سے بری ہے۔

امام قشیری فرماتے ہیں:

''التوكل محله القلب، والحركة بالظاهر لا تنا فى التوكل''[73]

"توکل کا محل قلب ہے یعنی توکل دل سے ہوتا ہے اعضائے ظاہرہ کی حرکت و کوشش توکل کے منافی نہیں ہے۔"

بلاشبہ توکل کا یہ مفہوم حدیث نبوی "اعقلها و توكل" [74] "یعنی اونٹ کو باندھ کر پھر اللہ پر توکل کرو." سے ماخوذ ہے۔

۱۲- شکر:

دل سے منعم کی محبت، اعضائے بدن سے اس کی اطاعت اور زبان سے اس کی ثناء و مدحت کا نام شکر ہے۔ اور شکر کی یہ تینوں قسمیں تصوف نے کتاب و سنت سے پائی ہیں۔

الف- شکر لسان:

ارشاد ربانی ہے:

وَأَ مَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ(75)

یعنی اور اپنے رب کی نعمت تو اسے بیان کیجیے،

اور ارشاد نبوی ہے:

''التحدث بنعمة الله شكر''(76)

یعنی ذکر نعمت شکر نعمت ہے۔

ب- شکر ارکان:-

اعضائے بدن سے اطاعت کر کے شکر ادا کیا جاتا ہے، ارشاد ربانی ہے:

''اِعْمَلُوْا آلَ دَاوٗدَ شُكْرًا''(77)

یعنی اے آل داؤد بطور شکر عمل کرو۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رات میں اس قدر طویل قیام کرتے تھے کہ آپ کے قدم مبارک پر ورم آجاتے تھے۔ ایک دن میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول آپ یہ سب کیوں کرتے ہیں، آپ تو مغفرت یافتہ ہیں تو آپ نے فرمایا: ''أفلا أكون عبدا شكورا'' (78)

یعنی کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

ج- شکر جنان:

دل کا شکر یہ ہے کہ رویت نعمت رویت منعم کے لیے حجاب نہ بننے پائے، یعنی دل نعمت کے سبب منعم سے غافل نہ ہو۔ ارشاد ربانی ہے

''وَمَا بِكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنَ الله ''(79)تمہارے پاس جو بھی نعمت ہے وہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔''

ارشاد نبوی ہے:

''اللهم ما أصبح بی من نعمة أو بأحد من خلقک فمنک وحدک لا شريک لک''(80)

''اے اللہ جو نعمت مجھے یا تیری کسی مخلوق کو ملی وہ سب منتہا اور بلا شرکت غیرے تیری ہی ہے۔''

یہ سرسری اور عاجلانہ مطالعہ ہمیں اس نتیجے پر پہنچاتا ہے کہ صوفیا اپنے تمام افکار و معمولات میں کتاب و سنت کے پیرو ہیں۔ تصوف کا منہج عملی اور سلوک کے تمام منازل منبع تصوف مرشد اعظم ﷺ کی تعلیمات سے ہی ماخوذ ہیں، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ مسلمانوں کا کوئی طبقہ کتاب و سنت سے اس قدر قریب اور اس کی روح سے اتنا ہم آہنگ نہیں ہے جتنا کہ صوفیائے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں۔ بقول امام غزالی:

"إن الصوفية هم السالكون لطريق الله خاصة وإن سيرتهم أحسن السير، وطريقتهم أصوب الطرق، أخلاقهم أحسن الأخلاق،....فإن جميع حركاتهم وسكناتهم فى ظاهرهم وباطنهم مقتبسة من نور مشكاة النبوة، وليس وراء نور النبوة على وجه الأرض نور يستضاء به "(81)

"بے شک صوفیا ہی صحیح معنوں میں اللہ کے راہ پر چلنے والے ہیں ان کی سیرت سب سے بہتر سیرت ہے، انکا راستہ سب سے صحیح راستہ ہے، اور ان کا اخلاق سب سے بہتر اخلاق ہے،۔۔ کیونکہ ان کے ظاہر و باطن کی تمام حرکات و سکنات مشکاۃ نبوت کے نور سے ماخوذ ہیں، اور نور نبوت کے سوا دنیا میں کوئی ایسا نور نہیں ہے جس سے روشنی حاصل کی جاسکے۔"

تصوف کو بعض نام نہاد دانشور عجمیت کا شاخسانہ قرار دیتے ہیں جبکہ بعض حضرات اسے نہایت دیدہ دلیری سے بدھزم یا مسیحیت سے ماخوذ قرار دیتے ہیں، جبکہ پیشِ نظر مقالے میں کتاب و سنت سے تصوف کے حقیقی منابع اور مصادر کو اجاگر کیا گیا ہے۔ کتاب و سنت سے تصوف کی عملی مناہج کو واضح کیا گیا ہے۔ جیسے کہ صحبت شیخ، بیعت، ذکر، خلوت۔

علاوہ ازیں تصوف کے احوال و مقامات میں سے توبہ، محاسبہ، خوف، رجاء، صدق، اخلاص، صبر، ورع، زہد، رضا بالقضاء، توکل اور شکر کو کتاب و سنت کی روشنی میں اجاگر کیا گیا ہے۔

پیش نظر تحقیق سے یہ ثابت ہوا کہ تصوف کی بنیاد وہ تزکیۂ نفس ہے جس کا قرآن کریم میں متعدد مقامات پر ذکر ہوا، نیز وہ احسان ہے جس کی نشاندہی حدیث جبریل میں کی گئی ہے۔

☆☆☆☆☆☆

﴿حوالہ جات و حواشی﴾

1. (i) بخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل، (1987ء)۔ الجامع الصحیح، بیروت، دار ابن کثیر، ج:1، ص:28
(ii) القشیری، مسلم بن حجاج، (س.ن). صحیح مسلم، بیروت، داراحیاء التراث العربی، (تحقیق: محمد فواد عبدالباقی)، ج:3، ص:1219
2. مسلم، عن ابی ھریرۃ، ج:4، ص:1986

3. الشّمس، 9:91
4. انصاری، قاضی زکریا، (س.ن). شرح الرسالہ القشیریہ، مصر، مصطفیٰ بابی جلبی، ص:7۔
5. آل عمران، 164:3
6. الغماری، محمد بن الصدیق، (دون سنة الطبع).الانتصار لطریق الصوفیة، مصر: مطبعة دارالتالیف، ص:6
7. (i) صحیح مسلم، ج:1، ص:37

(ii)الترمذی، ابوعیسی محمد بن عیسی، (س۔ن)۔جامع ترمذی، بیروت، داراحیاء التراث العربی، (تحقیق: احمد محمد شاکر وغیرہ) ج:5، ص:6

(iii) قزوینی، محمد بن یزید، (س۔ن). سنن ابن ماجہ، بیروت، دارالفکر، ج:1، ص:25-26

(iv) سلمان بن داؤد بن الجارود، مسند ابی داؤد الطیالیسی ، بیروت: دارالمعرفه ،ج:1،ص:5

(v) النسائی، ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب، (1986ء)- سنن النسائی، حلب، مطبوعات اسلامیة، (تحقیق: عبد الفتاح ابوعذه) ج:8،ص:102

(vi) بستی، محمد بن حبان تمیمی، صحیح ابن حبان، (1993ء). بیروت، مؤ سسة الرسالة، ج:1، ص:375

(vii) محمد بن اسحاق،(1970ء). صحیح ابن خزیمة، بیروت، المکتب الاسلامی، ص:5، ص:4

(viii) ابوبکر عبدالله بن محمد، (1409ھ)- مصنف ابن ابی شیبة، ریاض، مکتبة الرشید،ج:6، ص:157

(IX) احمد بن حنبل، (دون سنة الطبع).مسند احمد بن حنبل شیبانی، مصر مؤسسة قرطبة،ج:1، ص:51،319:1،129:4

(X) وابو بکر احمد بن عمر، (1409ھ). مسند البزار، بیروت، موسسة علوم القرآن،ج:9، ص:219

(Xi) البیهقی، ابوبکر احمد بن حسین، (1979ء).السنن الصغری، مدینة منورة، مکتبة الدار،ج:1، ص:24

(Xii) والهیثمی، علی بن ابی بکر، (دون سنة الطبع). موارد الظمان الی زوائد ابن حبان، بیروت، دارالکتب العلمیه،ج:1، ص:35

(Xii) و الهیثمی، (1407ھ)۔مجمع الزوائد، قاهرة، دارالریان للتراث،ج:1، ص:38

(Xiii) و الاصبهانی، (1415ھ)- مسند ابی حنیفه، ابو نعیم، ریاض مکتبة الکوثر،ج:1،ص:152

8. الأصبهاني، نعیم بن أحمد، (دون سنة الطبع). مسند أبی حنیفة، بیروت، دار الکتب العلمیة، ج:1، ص:152

(i)النسائي، أبو عبد الرحمن أحمد بن شعیب، (1991ء). السنن الکبری للنسائی، بیروت، دارالکتب العلمیة،ج:3، ص:446

(ii)و مسندابی داؤ د طیالسی،ج:1 ص:5

9. النووي، ابوزكريا يحيىٰ بن شرف، (1392ھ). شرح النووی، بیروت، دار احیاء التراث العربی،ج:1،ص:157

10. ایضاً، ج:1،ص:158

11. ایضاً

12. العسقلاني، أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل، (1379ھ)-فتح الباری، بیروت، دارالمعرفة، (تحقیق فواد عبدالبافی وغیرہ)،ج:1، ص:120

13. التوبة،9:119

14. (i)صحیح البخاری، کتاب الذبائح،ج:5،ص:2104

(ii)وصحیح مسلم ، کتاب البروالصلہ، عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ عنہ،ج:4،ص:2026

15. (i)سنن الترمذی، کتاب الزهد،ج:4،ص:589

(ii)والسجستانی سلیمان بن الاشعث،(س-ن)- سنن ابی داؤد، کتاب الادب، بیروت، دارالفکر، (تحقیق: محمد محی الدین عبدالحمید)،ج:4،ص:259

16. الفتح،48:10

17. صحیح البخاری ، کتاب الایمان ، ج:1،ص:15

18. الحج،22:78

19. التوبة،9:41

20. العنكبوت،29:69

21. قرطبي، ابو عبد الله محمد بن احمد بن ابو بکر،(1993ء).تفسیر قرطبی، قاهرة، دارالشعب، بیروت، دارالکتب العلمیة، (تحقیق: عبدالسلام عبدالشافی) ج:4،ص:326

22. اندلسی، محمد عبد الحق،(1993ء).المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب اللہ العزیز،(تحقیق:عبد السلام عبد الشافي)ج:4،ص:326

23. الرازی، فخر الدین،(1981ء). التفسیر الکبیر، بیروت ، دارالکتب العلمیہ،ج:25،ص:83

24. آلوسي ، محمود شكري شهاب الدين، (س-ن)- روح المعانی، بیروت، داراحیاء التراث، ج:21، ص:16،:4:165

25. صحیح ابن حبان،ج:10،ص:484

26. صحیح البخاری، کتاب الدعوات عن ابی موسی الاشعری،ج:5،ص:2353

27. الفرقان،25:59

28. الجمعة،62:9

29. الاحزاب،33: 42

30. (i)صحیح مسلم ، کتاب الذکر، ج:4،ص:2061

(ii)وصحیح البخاری ، کتاب التوحید، ج:6،ص:2694؛

(iii)وسنن الترمذی ، کتاب الدعوات، ج:5،ص:581

31. الذاریات،51: 55

32. البخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل، (1987ء)۔ الجامع الصحیح، بیروت، دار ابن کثیر، ج:1، ص:211

33. النحل16: 43

34. سنن الترمذی، ج:4،ص:583

35. صحیح مسلم، کتاب التوبة4: 2106

36. سنن الترمذی، ج:5،ص:532

37. المزمل،73: 8

38. صحیح مسلم، کتاب الایمان، ج:1،ص:144

39. صحیح البخاری، باب کیف کان بدء الوحی، ج:1،ص:4

40. التحریم،66: 8

41. صحیح مسلم، ج:4،ص:2075

42. التکاثر:102: 8

43. سنن الترمذی، عن شداد بن اوس، ج:4،ص:638

44. فاطر،35: 28

45. آل عمران،3: 175

46. الرحمن،54: 46

47. سنن الترمذی، کتاب صفته القیامة، عن ابی هریره رضی الله عنه، ج:4،ص:633

48. الزمر،39: 53

49. الاعراف،7: 155

50. بیهقي، ابي ابکر احمد بن الحسین، (1410ھ)۔ بیهقی، شعب الایمان، بیروت، دارالکتب العلمیة، ج:2،ص:5

51. (i)صحیح البخاری، کتاب الادب، ج:5،ص:2261(واللفظ له)

(ii)و صحیح مسلم، کتاب البرو الصلة، ج:4، ص:2013

52. الزمر،39:11
53. سنن النسائی،ج:6،ص:25
54. صحیح مسلم،ج:4،ص:1986
55. ایضا،ج:2،ص:729
56. (i)سنن الترمذی ، کتاب صفة القیامة،ج:4،ص:634
(ii)و سنن ابن ماجه، کتاب الزهد، ج:2،ص:1409
57. سنن ابن ماجه، کتاب الزهد، ج:2،ص:1410
58. صحیح مسلم، کتاب الذکر، ج:4،ص:2098
59. صحیح البخاری، کتاب الرقاق، ج:5،ص:2358
60. سنن الترمذی، کتاب الزهد، ج:4،ص:560
61. سنن الترمذی، کتاب الزہد، عن ابن مسعود، ج:4، ص:588
62. التوبہ،9:72
63. البینہ،8
64. مقدسی، ابو محمد عبدالواحد، (س-ن)۔ الاحادیث المختارہ، مکہ المکرمہ، مکتبۃ النہضۃ الحدیثۃ، ج:9، ص:181
65. سنن الترمذی، کتاب الزہد، عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ، ج:4، ص:451
66. سنن الترمذی، کتاب الزہد عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، ج:4، ص:455
67. صحیح البخاری، کتاب الطب، ج:5، ص:2163؛ و صحیح مسلم، کتاب السلام، ج:4، ص:1740
68. المائدۃ،23
69. آل عمران3:159
70. الطلاق،23
71. سنن الترمذی، کتاب الزہد، عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، ج:4، ص:573
72. ابو عبداللہ محمد نیشاپوری، (1990ء)۔ المستدرک علی الصحیحین، بیروت، دار الکتاب العلمیہ، ج:4، ص:354
73. الرسالہ القشیریہ، قاہرہ، مصطفیٰ بابی حلبی، ص:76
74. سنن الترمذی، عن انس ابن مالک رضی اللہ عنہ، ج:4، ص:668
75. الضحیٰ،11
76. مسند احمد، عن النعمان بن بشیر، ج:4، ص:278
77. نبأ ،13

78. صحیح مسلم ، کتاب صفة المنافقین، ج:4، ص:2176؛و صحیح البخاری ،ج:5، ص:2375؛و سنن الترمذی،ج:2، ص:268
79. النحل،53
80. سنن ابی داؤد، عن عبداللہ بن غنام،ج:3، ص:318
81. الغزالی، ابو حامد، (1371ھ)۔المنقذ من الضلال، مصر، مطبعہ صبیح واولادہ، ص:132

☆☆☆☆☆☆

﴿مصادر و مراجع﴾

1. ابن ماجہ، ابو عبداللہ محمد بن یزید، (1428ھ)۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، ریاض، دار السلام
2. ابو بکر احمد بن عمر، (1409ھ). مسند البزار، بیروت، موسسة علوم القرآن
3. ابوبکر احمد بن حسین، (1979ء).السنن الصغری للبیهقی، مدینة منورة: مکتبة الدار
4. ابوبکر عبدالله بن محمد، (1409ھ)- مصنف ابن ابی شیبة، ریاض، مکتبة الرشید
5. ابو عبداللہ محمد نیشاپوری، (1990ء)۔المستدرک علی الصحیحین، بیروت، دار الکتاب العلمیہ
6. الاصبهانی، (1415ھ)- مسند ابی حنیفه، ابو نعیم، ریاض مکتبة الکوثر
7. آلوسی، محمود شکری شہاب الدین، (س۔ن)۔روح المعانی، بیروت، داراحیاء التراث
8. اندلسی، محمد عبدالحق، (1993ء).المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب اللہ العزیز، (تحقیق: عبدالسلام عبدالشافی)
9. انصاری، قاضی زکریا، (س.ن).شرح الرسالہ القشیریہ، مصر، مصطفیٰ بابی جلبی
10. بخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل، (1987ء)۔الجامع الصحیح، بیروت، دار ابن کثیر
11. البخاری، ابو عبداللہ، محمد بن إسماعیل، (1422ھ)۔ صحیح البخاری، کتاب الدعوات، دار طوق النجاة
12. بیہقی، ابی ابکر احمد بن الحسین، (1410ھ)۔ بیہقی، شعب الایمان، بیروت، دار الکتب العلمیہ
13. الترمذی، ابو عیسی محمد بن عیسی، (س۔ن)۔جامع ترمذی، بیروت، داراحیاء التراث العربی، (تحقیق: احمد محمد شاکر)
14. سلیمان بن داود بن الجارود، (1999ء). مسند ابی داؤد الطیالیسی، بیروت، دار المعرفہ
15. الرازی، فخر الدین، (1981ء).التفسیر الکبیر، بیروت، دار الکتب العلمیہ
16. الزمزمی، محمد بن الصدیق، (س.ن).الانتصار لطریق الصوفیہ، مصر: مطبعہ دار التالیف
17. السجستانی سلیمان بن الاشعث ،(دون سنة الطبع). سنن ابی داؤد، کتاب الادب، (تحقیق: محمد محی الدین عبدالحمید) بیروت، دارالفکر،
18. الشیبانی، احمد بن حنبل، (دون سنة الطبع).مسند احمد بن حنبل شیبانی، مصر مؤسسة قرطبة
19. صحیح ابن حبان، محمد بن حبان تمیمی بستی(1993ء).بیروت، مؤسسة الرسالة

20. العسقلاني، أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل، (1379ھ)۔فتح الباری، (تحقیق فواد عبدالبافی) بیروت، دارالمعرفة
21. الغزالی، ابو حامد، (1371ھ)۔المنقذ من الضلال، مصر: مطبعہ صبیح واولادہ
22. قرطبّی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابو بکر، (1993ء). تفسیر قرطبّی، قاہرہ، دارالشعب، (تحقیق: عبدالسلام عبدالشافی)
23. قزوینی، محمد بن یزید، (س۔ن). سنن ابن ماجہ، بیروت، دارالفکر
24. القشیری، ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن، الرسالہ القشیریہ، قاہرہ، مصطفیٰ بابی حلبی
25. القشیری، مسلم بن حجاج، (س.ن). صحیح مسلم، بیروت، داراحیاء التراث العربی، (تحقیق: محمد فواد عبدالباقی)
26. محمد بن اسحاق، (1970ء). صحیح ابن خزیمة، بیروت، المکتب الاسلامی
27. مقدسی، ابو محمد عبدالواحد، (س۔ن)۔الاحادیث المختارہ، مکہ المکرمہ، مکتبة النہضة الحدیثة
28. النسائی، ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب (1986ء)۔سنن النسائی، حلب، مطبوعات اسلامیہ، (تحقیق: عبدالفتاح ابوغدہ)
29. النسائی، ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب، (1991ء). السنن الکبری للنسائی، بیروت، دارالکتب العلمیة
30. النووی، ابوزکریا یحییٰ بن شرف، (1392ھ). شرح النووی، بیروت، داراحیاء التراث العربی
31. الهیثمی، علی بن ابی بکر، (دون سنة الطبع). موارد الظمان الی زوائد ابن حبان، بیروت، دارالکتب العلمیه
32. الهیثمی، أبو الحسن نور الدین علي بن أبي بکر بن سلیمان،(1407ھ)- مجمع الزوائد، قاهرة، دارالریان للتراث